

قدم بوسی کی شرعی حیثیت !

ابو عبد اللہ صارم

تعظیم کی نیت سے کسی کے پاؤں چومنا ناجائز اور غیر مشروع عمل ہے۔ بعض لوگ کچھ روایات پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ صحابہ کرام نبی اکرم ﷺ کے پاؤں مبارک چومتے تھے، لیکن ان میں سے کوئی روایت بھی پایہ صحت کو نہیں پہنچتی۔ اس پر سہاگہ یہ کہ صحابہ کرام، تابعین عظام اور تبع تابعین کے تین بہترین ادوار میں بھی اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

اس سلسلے میں جو روایات پیش کی جاتی ہیں، ان کا مختصر تحقیقی تجزیہ پیش خدمت ہے :

روایت نمبر ① : سیدنا صفوان بن عسال مرادی رضی اللہ عنہ سے مروی

ہے کہ دو یہودیوں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر نو آیات مینات کے متعلق سوال کیے۔ آپ ﷺ نے ان کے جوابات دے دیے، تو :

فَقَبَلَا يَدَيْهِ وَرَجَلَيْهِ . ”انہوں نے آپ ﷺ کے دونوں ہاتھوں اور

دونوں پاؤں مبارک کو بوسہ دیا۔“ (مسند الإمام أحمد : 239/4، 240، سنن الترمذی : 2733،

السنن الكبرى للنسائي : 3527، سنن ابن ماجہ : 3705، مختصراً)

اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ . ”یہ حدیث صحیح ہے۔“

امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں : هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ، لَا نَعْرِفُ لَهُ عِلَّةَ

بَوَاجِهِ مِّنَ الْوُجُوهِ . ”یہ حدیث صحیح ہے۔ ہمیں اس میں کسی بھی قسم کی کوئی علت

معلوم نہیں ہوئی۔“ (المستدرک علی الصحیحین: 15/1)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی اس بارے میں ان کی موافقت کی ہے۔

تجزیہ :

یہ حدیث ”منکر“ ہے۔ اس کا راوی عبد اللہ بن سلمہ اگرچہ ”حسن

الحدیث“ ہے، لیکن آخری عمر میں اس کے حافظے میں خرابی پیدا ہو گئی تھی، جیسا کہ اس کے

شاگرد عمرو بن مرہ فرماتے ہیں: كَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَلَمَةَ قَدْ كَبِرَ، وَكَانَ

يُحَدِّثُنَا، فَنَعْرِفُ وَنُنْكِرُ. ”عبد اللہ بن سلمہ بوڑھے ہو گئے تھے۔ وہ ہمیں

حدیث بیان کرتے تو ہمیں ان سے کچھ معروف اور کچھ منکر حدیثیں ملتی۔“

(مسند علی بن الجعد: 66، العلل ومعرفة الرجال للإمام أحمد برواية عبد الله: 1824،

الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع للخطيب البغدادي: 1920، واللفظ له)

امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تَعْرِفُ وَتُنْكِرُ.

”یہ معروف اور منکر دونوں قسم کی روایات بیان کرتا ہے۔“

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 74/5)

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَلَا يَتَّبَعُ فِي حَدِيثِهِ.

”ثقہ راوی اس کی روایات کی متابعت نہیں کرتے۔“ (التاريخ الكبير: 99/5)

امام نسائی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ”منکر“ کہا ہے۔ (السنن الكبرى: 3527)

سنی مفسر، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (701-774ھ) فرماتے ہیں:

وَهُوَ حَدِيثٌ مُشْكَلٌ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَلَمَةَ فِي حِفْظِهِ شَيْءٌ، وَقَدْ

تَكَلَّمُوا فِيهِ، وَلَعَلَّهُ اشْتَبَهَ عَلَيْهِ التَّسْعُ الْآيَاتُ بِالْعَشْرِ الْكَلِمَاتِ، فَإِنَّهَا

وَصَايَا فِي التَّوْرَةِ، لَا تَعْلُقُ لَهَا بِقِيَامِ الْحُجَّةِ عَلَى فِرْعَوْنَ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ!

”اس حدیث میں اشکال ہے۔ عبد اللہ بن سلمہ کے حافظے میں کچھ خرابی تھی، محدثین کرام نے اس پر جرح بھی کی ہے۔ ممکن ہے کہ اس کو نو آیات اور دس کلمات میں اشتباہ ہو گیا ہو، کیونکہ دس کلمات تو تورات میں وصیت کی صورت میں ہیں، ان کا فرعون کے خلاف دلیل بننے سے کوئی تعلق ہی نہیں۔“ (تفسیر ابن کثیر: 124/5)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ عبد اللہ بن سلمہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

صَدُوْقٌ، تَغَيَّرَ حِفْظُهُ. ”یہ سچا راوی تھا، لیکن اس کے حافظے میں خرابی

واقع ہو گئی تھی۔“ (تقریب التہذیب: 3364)

امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ مُحَمَّدَ بْنَ يَعْقُوبَ الْحَافِظَ، وَيَسْأَلُهُ مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ اللَّهِ، فَقَالَ: لِمَ تَرَكََا حَدِيثَ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ أَصْلًا، فَقَالَ: لِفَسَادِ الطَّرِيقِ إِلَيْهِ.

”میں نے امام ابو عبد اللہ محمد بن یعقوب الحافظ کو سنا، ان سے محمد بن عبید اللہ یہ سوال کر رہے تھے کہ امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے سیدنا صفوان بن عسال رحمہما اللہ کی بیان کردہ حدیث کو بالکل ہی کیوں چھوڑ دیا تھا؟ اس پر انہوں نے فرمایا: کیونکہ اس کی سند خراب تھی۔“

(المستدرک علی الصحیحین للحاکم: 15/1)

اس کے بارے میں امام حاکم رحمہ اللہ کی توجیہ صحیح نہیں۔

مذکورہ بحث کے نتیجے میں معلوم ہوا کہ عبد اللہ بن سلمہ کی جس حدیث کو محدثین کرام ”منکر“ قرار دیں گے، وہ ”ضعیف“ ہوگی اور باقی ”حسن“ ہوں گی۔

روایت نمبر ②: صحابی رسول، زارع بن عامر رحمہ اللہ، جو وفد

عبد القیس میں شامل تھے، ان کی طرف منسوب ہے کہ:

لَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ، فَجَعَلْنَا تَبَادُرُ مَنْ رَوَّاحِلِنَا، فَتَقَبَّلَ يَدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَجَلَهُ . ”جب ہم مدینہ منورہ پہنچے، تو ہم جلدی کرتے

ہوئے اپنے کجاووں سے نکلے اور نبی اکرم ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں مبارک کو چومنے لگے۔“

(سنن أبی داؤد : 5225، القبل والمعانقة والمصافحة لابن الأعرابي : 41، الأدب المفرد

للبخاري : 975)

تجزیہ : اس کی سند ”ضعیف“ ہے، کیونکہ اس کو بیان کرنے والی راویہ ام

ابان بنت وازع کی کسی محدث نے توثیق نہیں کی، لہذا حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ کا اس کے بارے میں یہ کہنا درست نہیں کہ:

رَوَتْ --- حَدِيثًا حَسَنًا، سَأَقْتُهُ بِتَمَامِهِ وَطُولِهِ سِيَاقَةً حَسَنَةً .

”ام ابان نے --- ایک حسن حدیث روایت کی ہے۔ اس نے اس حدیث کو مکمل اور

طول کے ساتھ اچھا بیان کیا ہے۔“ (الاستيعاب في معرفة الأصحاب : 80/4)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ام ابان کو ”مجهولات“ میں شمار کیا ہے۔ (میزان الاعتدال : 611/4)

روایت نمبر ۳ : سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک

دیہاتی نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر کہنے لگا: اللہ کے رسول! میں یقیناً

مسلمان ہوں۔ مجھے کوئی ایسی چیز دکھائیں، جس سے میرا ایمان بڑھ جائے۔ آپ ﷺ نے

فرمایا: کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا: آپ اس درخت کو بلائیں، وہ آپ ﷺ کے پاس آئے۔

آپ ﷺ نے درخت کو بلایا اور وہ آپ ﷺ کے پاس آیا اور سلام کہا۔ آپ ﷺ نے اسے

واپس اپنی جگہ جانے کا کہا، تو وہ چلا گیا، تب اس دیہاتی نے کہا:

إِنِّدُنْ لِي أَنْ أَقْبَلَ رَأْسَكَ وَرَجْلَيْكَ .

”مجھے اجازت دیجیے کہ میں آپ کے سر اور دونوں پاؤں مبارک کو چوموں۔“

آپ ﷺ نے اسے اجازت دی، تو اس نے ایسا کر لیا۔

(مسند الدارمی: 1472، القبل لابن الأعرابي: 42، تقبیل الید لأبی بکر بن المقری: 5،

المستدرک علی الصحیحین للحاکم: 4/172، دلائل النبوة لأبی نعیم الأصبهانی: 291)

تجزیہ: یہ روایت ”ضعیف“ ہے، کیونکہ اس کا راوی صالح بن حیان

قرشی جمہور محدثین کرام کے نزدیک ”ضعیف“ ہے۔

امام حاکم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ”صحیح الاسناد“ کہا، تو اس کے رد میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ

نے فرمایا: بَلْ وَاهٍ، وَفِي إِسْنَادِهِ صَالِحُ بْنُ حَيَّانٍ مَتْرُوكٌ.

”یہ ضعیف روایت ہے، اس کی سند میں صالح بن حیان راوی متروک ہے۔“

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس راوی کو ”ضعیف“ قرار دیا ہے۔ (تقریب التہذیب: 2851)

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے بھی ”ضعیف“ ہی کہا ہے۔

(تاریخ ابن معین بروایۃ الدارمی: ص: 134، ت: 434)

امام نسائی رحمہ اللہ اسے غیر ثقہ کہتے ہیں۔ (الضعفاء والمتروکون: 295)

امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عَامَّةٌ مَا يَرْوِيهِ غَيْرُ مَحْفُوظٍ.

”اس کی بیان کردہ اکثر روایات غیر محفوظ ہیں۔“ (الکامل فی ضعفاء الرجال: 4/55)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے بارے میں ”فیہ نظر“ فرمایا ہے۔ (التاریخ الکبیر: 4/275)

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے ”لیس بالقوی“ کہا ہے۔ (الضعفاء والمتروکون: 289)

امام ابو حاتم رحمہ اللہ نے بھی یہی فرمایا ہے۔ (الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 4/398)

امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: يَرْوِي عَنِ الثَّقَاتِ أَشْيَاءَ لَا تُشَبِّهُ

حَدِيثَ الْأَنْبَاءِ، لَا يُعْجِبُنِي الْإِحْتِجَاجُ بِهِ إِذَا انْفَرَدَ.

”یہ ثقہ راویوں سے منسوب کر کے ایسی روایات نقل کرتا ہے، جو ثقہ راویوں کی احادیث سے میل نہیں کھاتیں۔ مجھے اس حدیث سے استدلال کرنا پسند نہیں، جس کے بیان کرنے میں یہ منفرد ہو۔“ (المجروحین: 369/1)

امام حربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَهٗ أَحَادِيثُ مُنْكَرَةٌ.

”اس نے منکر احادیث بیان کی ہیں۔“ (تہذیب التہذیب لابن حجر: 387/4)

امام عجل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جَائِزُ الْحَدِيثِ، يُكْتَبُ الْحَدِيثُ،

وَلَيْسَ بِالْقَوِيِّ، وَهُوَ فِي إِعْدَادِ الشُّيُوخِ.

”یہ جائز الحدیث ہے، اس کی حدیث لکھ لی جائے گی، مگر یہ قوی نہیں۔ اس کا شمار

شیوخ میں ہوتا ہے۔“ (تاریخ العجلی: 225)

حافظ بیہقی فرماتے ہیں: وَهُوَ ضَعِيفٌ، وَلَمْ يُوثِّقْهُ أَحَدٌ.

”یہ ضعیف راوی ہے، اسے کسی محدث نے ثقہ نہیں کہا۔“ (مجمع الزوائد: 105/1)

روایت نمبر ۴: سیدنا عامر بن طفیل رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے

واقعہ میں بیان کیا گیا ہے کہ: أَتَى، فَقَبِلَ قَدَمَيْهِ.

”وہ آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں قدموں کو چوم لیا۔“

(الرخصة في تقبيل اليد لابن المقرئ: 14، المعجم لأبي يعلى الموصلي: 89)

تجزیہ: اس کی سند سخت ترین ”ضعیف“ ہے، کیونکہ:

① ام بیثم بنت عبد الرحمن بن فضالہ، سعدیہ کے حالات زندگی نہیں مل سکے۔

②، ③ اسی طرح ابو عبد الرحمن بن فضالہ اور ابو فضالہ بن عبد اللہ وغیرہ کی بھی توثیق

درکار ہے۔



روایت نمبر ⑤ :

ابو برہ، یسار، مولیٰ عبد اللہ بن سائب مخزومی سے مروی ہے :
دَخَلْتُ مَعَ مَوْلَايَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ السَّائِبِ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُمْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَبَّلْتُ رَأْسَهُ وَيَدَهُ وَرِجْلَهُ.

”میں اپنے مولیٰ عبد اللہ بن سائب کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں آپ ﷺ کی طرف گیا اور آپ ﷺ کا سر، ہاتھ اور پاؤں مبارک چوم لیا۔“
(الرخصة في تقبيل اليد لابن المقري: 24)

تجزیہ :

اس کی سند سخت ترین ”ضعیف“ ہے، کیونکہ:

① ابو الحسن احمد بن محمد بن عبد اللہ بن قاسم ”ضعیف“ ہے۔

اس کی بیان کردہ ایک حدیث کو ”منکر“ قرار دیتے ہوئے امام ابو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
ضَعِيفُ الْحَدِيثِ، وَلَكَسْتُ أَحَدْتُ عَنْهُ.

”اس کی حدیث ضعیف ہوتی ہے۔ میں اس سے حدیث روایت نہیں کرتا۔“

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 71/2)

امام عقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مُنْكَرُ الْحَدِيثِ، يُوَصِّلُ الْأَحَادِيثَ.

”اس کی احادیث منکر ہیں۔ یہ احادیث میں وصل کرتا تھا۔“ (الضعفاء الكبير: 71/2)
حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس کی ایک حدیث کے بارے میں لکھا ہے:

مَا هَذَا الْحَدِيثُ بِبَعِيدٍ مِنَ الْوَضْعِ.

”کوئی بعید نہیں کہ یہ حدیث گھڑنت ہی ہو۔“ (تاریخ الإسلام: 5/1096، طبعة بشار)

② احمد کے باپ محمد بن عبد اللہ بن قاسم کے حالات نہیں مل سکے۔

۳) احمد کے دادا عبداللہ بن قاسم کی توثیق نہیں ملی۔

روایت نمبر ۶ :

مشہور مفسر، امام، اسماعیل بن عبدالرحمن بن

ابو کریم، سدی، تابعی رحمہ اللہ (م: 127ھ) سورہ مائدہ کی آیت 111 کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا: میرا باپ کون ہے؟ جواب میں آپ ﷺ نے

فرمایا: فلاں۔ اس پر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی طرف بڑھے اور آپ کا پاؤں

مبارک چوم لیا۔ (تفسیر الطبری: 17/9، طبعہ ہجر، 102/11، ح: 12801، طبعہ شاکر)

تجزیہ :

امام سدی رحمہ اللہ تابعی ہیں اور بلا واسطہ نبی اکرم ﷺ سے بیان کر

رہے ہیں، لہذا یہ روایت ”مرسل“ ہے، جو کہ ”ضعیف“ حدیث کی ایک قسم ہے۔

روایت نمبر ۷ :

صہیب مولیٰ عباس کا بیان ہے:

رَأَيْتُ عَلِيًّا يَقْبَلُ يَدَ الْعَبَّاسِ وَرِجْلَيْهِ، وَيَقُولُ: يَا عَمَّ! اَرْضَ عَنِّي .

”میں نے دیکھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اور دونوں پاؤں کو چومتے

ہوئے کہہ رہے تھے: چچا جان! مجھ سے راضی ہو جائیے۔“

(الأدب المفرد للبخاری: 976، الرخصة في تقبيل اليد لابن القري: 15، تاريخ دمشق

لابن عساکر: 372/26)

تجزیہ :

اس کی سند ”ضعیف“ ہے، کیونکہ صہیب مولیٰ عباس کی سوائے

ابن حبان رحمہ اللہ (الثقات: 381/4) کے کسی نے توثیق نہیں کی، لہذا یہ ”مجهول الحال“ ہے۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَصَّيْبٌ لَا أَعْرِفُهُ .

”صہیب کو میں نہیں جانتا۔“ (سير أعلام النبلاء: 94/2)

لہذا حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (تقريب التهذيب: 2955) کا اسے ”صدوق“ کہنا صحیح نہ ہوا۔



روایت نمبر ۸ : بیان کیا جاتا ہے کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے امام

بخاری رحمہ اللہ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور فرمایا: دَعْنِي حَتَّى أَقْبَلَ رَجُلِيكَ .

”مجھے اجازت دیجیے کہ میں آپ کے دونوں پاؤں کو چوم لوں۔“

(تاریخ دمشق لابن عساکر: 68/52، التقیید لمعرفة رواة السنن والمسانید لابن نقطة: 331)

تجزیہ : اس کی سند ”ضعیف“ ہے، کیونکہ ابونصر احمد بن حسن بن احمد بن

حمویہ، وراق کے حالات زندگی نہیں مل سکے۔

اس کی ایک دوسری سند تاریخ بغداد (3/102، 103) اور تاریخ دمشق (68/52) میں آتی ہے۔ وہ بھی ”ضعیف“ ہے۔ اس کے راوی ابونصر احمد بن محمد، وراق کی توثیق نہیں مل سکی۔

اصولِ محدثین اور بریلوی مذہب

قدم بوسی کے متعلق روایات کا محدثین کرام کے اصولوں کے مطابق جائزہ لینے کے بعد معلوم ہو گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کچھ ثابت نہیں۔ سلف صالحین سے بھی باسندِ صحیح اس کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔ لہذا اولیاء و صالحین کے پاؤں چومنا جائز نہیں۔ اس کے باوجود بریلوی مفتی، احمد یار خان، نعیمی، گجراتی (1324-1391ھ) لکھتے ہیں:

”اولیاء اللہ کے ہاتھ پاؤں چومنا اور اس طرح ان کے بعد ان کے تبرکات بال و لباس وغیرہ کو بوسہ دینا، ان کی تعظیم کرنا مستحب ہے۔ احادیث اور عمل صحابہ کرام سے ثابت ہے، لیکن بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں۔“ (”جاء الحق“: 1/368)

اولیاء اللہ کے ہاتھ چومنا جائز ہے اور اسے بھی عبادت نہیں بنانا چاہیے۔ رہا پاؤں چومنا، تو اس کے بارے میں کچھ ثابت نہیں ہو سکا، چہ جائیکہ مستحب ہو! باقی جہاں تک تبرکات کی بات ہے، تو وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے



راشدین جیسے کبار صحابہ کرام کی چھوڑی ہوئی چیزوں کو کسی صحابی یا تابعی نے تبرک نہیں بنایا۔
بعد کے بزرگوں کے خود ساختہ تبرکات کو چومنا کیسے جائز ہوا؟

جناب احمد یار خان، بریلوی مزید لکھتے ہیں:

”ان احادیث و محدثین و علماء کی عبارات سے ثابت ہوا کہ بزرگان کے ہاتھ پاؤں اور ان کے لباس، نعلین، بال غرضیکہ سارے تبرکات، اسی طرح کعبہ معظمہ، قرآن مجید، کتب احادیث کے اوراق کا چومنا جائز اور باعث برکت ہے، بلکہ بزرگان دین کے بال و لباس و جمع تبرکات کی تعظیم کرنا۔“ (”جاء الحق“: 399/1)

یہ سراسر غلو ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے آثار مبارکہ کے علاوہ کسی بھی ولی و صالح شخص کے آثار سے تبرک حاصل کرنا جائز نہیں، تو بوسہ دینا کیسے جائز ہوا؟ کعبہ معظمہ، قرآن مجید اور کتب احادیث کے اوراق کو چومنے پر کوئی دلیل شرعی نہیں۔ یہ غیر مشروع عمل ہے۔ اگر یہ کوئی نیک کام ہوتا، تو صحابہ و تابعین جیسے اسلاف امت اس سے کیونکر غافل رہتے؟
سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو بوسہ دیا، تو فرمایا:

وَلَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْبَلُكَ، مَا قَبَّلْتُكَ .

”اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا، تو میں تجھے بھی

بوسہ نہ دیتا۔“ (صحیح البخاری: 1597، صحیح مسلم: 1270)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز کا بوسہ شریعت اسلامیہ سے ثابت نہ ہو، اس کو بوسہ دینا ناجائز اور غیر مشروع ہے۔

اسی حدیث کی شرح میں شارح صحیح بخاری، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَالَ شَيْخُنَا فِي شَرْحِ التِّرْمِذِيِّ: فِيهِ كَرَاهِيَةٌ تَقْبِيلِ مَا لَمْ يَرَهُ الشَّرْعُ

بِتَقْبِيلِهِ . ”ہمارے شیخ (حافظ عراقی رحمہ اللہ) جامع ترمذی کی شرح میں فرماتے



ہیں: اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جس چیز کو بوسہ دینے کی تعلیم شریعت نے نہ دی ہو، اس کو بوسہ دینا مکروہ ہے۔“ (فتح الباری: 463/3)

جناب احمد یار خان، نعیمی مزید لکھتے ہیں: ”تمکرات کا چومنا جائز ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے: ﴿وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةً﴾ یعنی اے بنی اسرائیل! تم بیت المقدس کے دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو اور کہو: ہمارے گناہ معاف ہوں۔ اس آیت سے پتہ لگا کہ بیت المقدس، جو انبیائے کرام کی آرامگاہ ہے، اس کی تعظیم اس طرح کرائی گئی کہ وہاں بنی اسرائیل کو سجدہ کرتے ہوئے جانے کا حکم دیا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ متبرک مقامات پر توبہ جلد قبول ہوتی ہے۔“ (”جاء الحق“: 368/1)

یہ قرآن کریم کی معنوی تحریف اور قبروں کے بارے میں غلو پر مبنی تحریر ہے۔ یہ قبہ اور آستانے ان لوگوں کی شکم پروری کا ذریعہ ہیں، اس لیے ان پر بہت زور دیا جاتا ہے اور اس سلسلے میں شریعت کی حدود سے تجاوز کیا جاتا ہے۔

اس بات پر کوئی دلیل نہیں کہ جس جگہ سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا، وہاں انبیائے کرام کی قبریں ہیں۔ بس اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ تم اس شہر میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ۔ کسی مسلمان مفسر نے قرآن کریم کی تفسیر میں ایسی کوئی بات ذکر نہیں کی۔ اس کے برعکس مفسرین کرام نے اس سجدہ کو سجدہ شکر قرار دیا ہے۔

مشہور سنی مفسر، حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (701-774ھ) فرماتے ہیں:

أَيُّ شُكْرًا لِلَّهِ تَعَالَى عَلَى مَا أَنْعَمَ بِهِ عَلَيْهِمْ مِنَ الْفَتْحِ وَالنَّصْرِ، وَرَدَّ بَلَدَهُمْ إِلَيْهِمْ، وَانْقَادَهُمْ مِنَ النَّيِّهِ وَالضَّلَالِ.

”یعنی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا کہ اللہ نے ان کو فتح و نصرت عطا فرمائی، ان کو ان کا علاقہ واپس دے دیا اور ان کو پستی و گمراہی سے نجات دی۔“

(تفسیر ابن کثیر: 247/1، طبعہ المہدی)

اہل علم نے نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کو بوسہ دینا اور اسے مس کرنا مکروہ اور بدعت خیال کیا ہے۔ جب سے تقلید آئی ہے، بدعات کی بھرمار ہو گئی ہے۔ مقلدین کو کوئی روک ٹوک نہیں، جسے چاہیں جواز کا درجہ دے دیں اور جسے چاہیں حرام قرار دے ڈالیں، کیونکہ انہیں دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔

زمین بوسی : علما وعظما کے سامنے زمین کو بوسہ دینا حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔ فقہ حنفی کی معتبر کتابوں میں لکھا ہے:

وَكَذَا مَا يَفْعَلُونَهُ مِنْ تَقْيِيلِ الْأَرْضِ بَيْنَ يَدَيِ الْعُلَمَاءِ وَالْعُظَمَاءِ فَحَرَامٌ، وَالْفَاعِلُ وَالرَّاضِي بِهِ آثِمَانِ، لِأَنَّهُ يُشَبِّهُ عِبَادَةَ الْوَتَنِ، وَهَلْ يُكْفَرَانِ؟ عَلَى وَجْهِ الْعِبَادَةِ وَالتَّعْظِيمِ كُفْرٌ، وَإِنْ عَلَى وَجْهِ التَّحِيَّةِ لَا، وَصَارَ آثِمًا مَرْتَكِبًا لِلْكَبِيرَةِ.

”اسی طرح جو علما وعظما کے سامنے زمین بوسی کا عمل کیا جاتا ہے، یہ بھی حرام ہے۔ اس کو کرنے والا اور اس پر راضی ہونے والا، دونوں گناہ گار ہیں، کیونکہ یہ بت پرستی کے مشابہ عمل ہے۔ کیا ایسا کرنے والے کو کافر کہا جائے گا؟ [اس میں تفصیل ہے]۔ اگر وہ عبادت اور تعظیم کی بنا پر ایسا کر رہا ہے، تو یہ عمل کفر ہے اور اگر بطور تحیہ ہے تو حرام نہیں، لیکن ایسا کرنے والا گناہ گار، بلکہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوگا۔“ (رد المحتار علی الدر المختار لابن عابدین: 383/6، تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق للزیلعی: 25/6، مجمع الأنهر فی شرح ملتقى الأبحر لشیخی زادہ: 542/2، البناية شرح الهداية للعيني الحنفی: 198/12)

الحاصل : نبی اکرم ﷺ کی قدم بوسی کے بارے میں کوئی روایت ثابت

نہیں۔ صحابہ کرام، تابعین عظام اور تبع تابعین کے دور میں قدم بوسی کا کوئی وجود نہیں ملتا۔ یوں قدم بوسی اور زمین بوسی ناجائز اعمال و افعال ہیں۔